دوسرا مرثیہ

درحال حضرت عبّاس علیہ السّلام

بند ۱۲۳

مطلع

کوئی جز ہیچمدانی نہیں دعوا مجھ کو
یہ فن مرثیہ گوئی نہیں آتا مجھ کو

اپنا مداح جو سمجھیں شہ والا مجھ کو
ہو یہ کونین کی شاہی سے زیادا مجھ کو

سایۂ لطف جو شبیرؑ کا دے تاج مجھے
آؤں منبر پہ تو سمجھوں ہوئی معراج مجھے

کیا حقیقت ہے مری ہیچ یہ فقط لطف ہے
میں نے اس مرثیے میں کی نہیں کچھ کوشش کم

کرلیا نظم کہ ہو اس مرے دعوے پہ سند
کلکِ من تیز زبانے دبیانے دارد

کیفیت ہیچمدانی کی عیاں کرتا ہوں
کرچکا عذر اب اک حال بیاں کرتا ہوں

پردۂ شب سے جو نکلا رخِ زیبائے سحر
عکس افگن ہوا آئینۂ سیمائے سحر

محوِ زینت ہُوا معشوقِ خود آرائے سحر
گئی لیلائے شب آنے لگی سلمائے سحر

نور تھا زیرِ فلک مملکتِ باری میں
روشنی ہو رہی تھی خیمۂ زنگاری میں

آمدِ صبح کا عالم میں ہوا ہنگامہ جو سماں تھا نہ کبھی لکھ سکے اُس کو خامہ
فلکِ پیر نے بھی نور کا پہنا جامہ زعفرانی سرِ خورشید پہ تھا عمامہ
ایک ساعت کو فقط چرخِ کہن سیدھا تھا
خطِ ابیض کمرِ خصم کے لیے پٹکا تھا

رنگ و رخشاں میں ہمسر تھی رخِ حور کی صبح کہ تجلّی میں مقابل ہوئی تھی طور کی صبح
عالم نور تھا ہر سمت کہ تھی نور کی صبح اس کا کیا ذکر کہ وہ صبح تھی عاشور کی صبح
تھا سوا گلشنِ فردوس سے شادابی میں
باغ زہراؑ کا تر و تازہ تھا بے آبی میں

مہرِ افلاکِ امامت کا بیاں لازم ہے کچھ گلِ باغِ رسالت کا بیاں لازم ہے
شہ والا کی مصیبت کا بیاں لازم ہے مختصر صبحِ شہادت کا بیاں لازم ہے
رونق افزا جو وہاں جان و دلِ حیدرؑ تھا
دشت سب وادیٔ ایمن سے کہیں بہتر تھا

کربلا میں ہے مسافر وہ محمدؐ کا حبیب وائے حسرت کہ وطن دور ہے اور موت قریب
کھانے پانی کا نہیں ذکر یہ دعوت ہے عجیب بادشا بھی جو مسافر ہو تو کہتے ہیں غریب
شاہ سا بیکس و مظلوم نہ ہوگا کوئی
ان کو افسوس مسافر بھی نہ سمجھا کوئی

کوئی مغموم نہ ہو سیّدِ عادل کی طرح تشنگی روح کو تڑپاتی ہے بسمل کی طرح
خون میں غرق جگر تیغ کے گھائل کی طرح شمعِ اُمّید بجھا چاہتی ہے دل کی طرح
سوزِ غم ہے کہ لہو خشک ہوا جاتا ہے
چہرے سے صبح کا انداز نظر آتا ہے

باہر انصار سے کہتے تھے ظہیر اور حبیب امتحاں دینے کا ہنگام اب آتا ہی قریب
ہو عجب بات اگر آج شہادت ہو نصیب جلد مل جائے رضا ایسی ہو کوئی ترکیب
ظلم کا سب سے عوض لینے کا وقت آجائے
صفِ اعدا کے اُلٹ دینے کا وقت آجائے

رشتۂ عمر ستمگاروں کے، تیغوں سے کٹیں سارے میداں کے گڑھے لاشوں سے اعدا کی پٹیں
زخم سو کھاؤں مگر ولولے دل کے نہ گھٹیں پاؤں ہر ضرب پہ آگے بڑھیں پیچھے نہ ہٹیں
اس طرح لشکرِ اعدا کی صفائی ہو جائے
آج دو لاکھ میں تم سب کی دوہائی ہو جائے

آج کمریں جو بندھیں کوفے کا رستا کھل جائے یہ ہٹے فوج کہ دریا کا کنارا کھل جائے
اب نکلتا ہی علم شوق دلوں کا کھل جائے پھر نہ رُکنا کوئی جس وقت پھریرا کھل جائے
بس کوئی اور نہ چرچا دمِ پیکار چلے
شام تک فوجِ ستمگار سے تلوار چلے

خیمۂ شاہ میں بیٹھے تھے حرم سب یکجا رو کے ایک ایک سے کہتا تھا کہ اب کیا ہوگا
فوج یاں کم ہی اُدھر جمع ہے ساری دُنیا کچھ تردد نہیں شبیرؑ ہیں راضی برضا
ہائے تقدیر وطن سے ہمیں لائی بن میں
لُٹ نہ جائے کہیں زہراؑ کی کمائی بن میں

پڑھ چکے سیدِ عالم چو نمازِ سحری دیکھ کر بھائی کا منہ رونے لگی بنتِ علیؑ
غم سے بیتاب ہوا قلبِ دلِ جانِ نبیؐ رو کے فرمایا قریب آئی جُدائی کی گھڑی
کہنہ اک جامہ پئے کشتۂ غم لاؤ بہن
فوجِ اللہ و پیمبرؐ کا علم لاؤ بہن

۱۴ پہلے ملبوس کہن لا کے جو زینبؑ نے دیا چاک کرنے لگے اور اس کو شہنشاہ ہدا
پوچھا خواہر نے کہ بھائی اسے کیا کیجئے گا کیا ارشاد کہ پہنے گا یہ ملبوسِ بلا
کیا عجب اِس کا نہ خواہاں کوئی بدایماں ہو
میری پوشاک لُٹے جب تو نہ تن عُریاں ہو

۱۵ شہ نے پہنا تو لگی رونے وہ غمگین و ملول آبدیدہ ہوا فرما کے جگر بندِ بتول
یہ وہی دن ہے خبر دے گئے تھے جس کی رسولؐ اے بہن وقتِ دعا ہے کہ شہادت ہو قبول
میری تقصیر نہیں کوئی خدا عالم ہے
دخترِ فاطمہؑ ہو صبر تمھیں لازم ہے

۱۶ شہِ ابرار کے ارشاد سے پونچھے آنسو سج کے لے آئی عَلم پیشِ امامِ خوش خو
گھر میں سب بہرِ سلام آئے علیؑ کے نہرو متکلم ہوئے خواہر سے شہنشاہِ نکو
+ عہدہ کس کو ملے کون شرف پائے بہن
مصلحت کیا ہے عَلم کس کو دیا جائے بہن

۱۷ مستحق دونوں ہیں فرزند تمھارے بھی ضرور اور عباسؑ بھی حقدار ہے سب میں مشہور
یہ مراقوتِ بازو ہے وہ آنکھوں کے ہیں نور یاد ہوگا تمھیں بابا کو جو کچھ تھا منظور
میں کروں فکر زیادہ یہ وہ ہنگام نہیں
جس کو تم چاہو عَلم دو مجھے کچھ کام نہیں

۱۸ عرض کی عون و محمدؑ کا نہیں حق اصلا دے گئے حیدرِ صفدر کو عَلم خود نانا
یہ تو ہیں جعفرِ طیار کے پوتے شاہا یہ محق ہوتے اگر باپ کو ان کے ملتا
ورثہ ہے آپ کا سُو آپ کی یہ شان نہیں
غیر وارث کو یہ مل جائے یہ امکان نہیں

ہوں میں بیٹوں کی طرفدار یہ ہے امر رکیک چاہیئے ہے وہی انساں کہے جو بات ہو ٹھیک
میں تو اس بات میں ہرگز نہیں دونوں کی شریک کوئی عباسؑ سے بہتر نہیں میرے نزدیک
اوسکے ہوتے کی ہے اور کہیے کوئی اور علم یہ کوئی انصاف بھی ہے
کہ وہ حقدار بھی ہے مجمعِ اوصاف بھی ہے

جھک کے یہ کان میں شبیرؑ نے زینبؑ سے کہا میں جو مجبور نہ ہوتا تو انھیں کو دیتا
ہے ازل سے پئے عباسؑ علیؑ یہ عہدا ہے یہی حکم علیؑ، حکم نبیؐ، حکم خدا
اے بہن اس میں جو ہے راز ذرا بتلا دو
بچے ہیں دل میں یہ آزردہ نہ ہوں سمجھا دو

پھر کے بیٹوں کی طرف درد سے اک آہ بھری بولیں جاتا رہا بالکل مرا دردِ جگری
ابتو بے مانگے مراد آئی سنو خوش خبری رکھ کے سر ہاتھ پہ دو نذر کہ دونوں ہو بری
تم کو عزت ملی عباسؑ کو توقیر ملی
علم اُن کو تمھیں فردوس میں جاگیر ملی

کہا جب دونوں نے ہم خوش ہوئے مطلب بر آئے اُٹھ کے عباسؑ کے نزدیک نہ صفدر آئے
دے کے بھائی کو علم آنکھوں میں آنسو بھر آئے سارے کاموں سے فراغت ہوئی شبر آئے
تیر برسائے اُدھر سے جو ستمگاروں نے
حکم سے شاہ کے صف باندھ لی جراروں نے

کھل گیا دشت میں زہراؑ و علیؑ کا گلزار ایسا گلشن تھا جسے دیکھنے خود آئی بہار
صف تھی ہر ایک کہ گلزارِ جناں کی دیوار شوقِ دیدار میں ان کے ہوئی نرگس بیمار
کس طرح خاک سے سنبل نہ پریشاں نکلے
عشق اُنھیں کا ہے جو گل چاک گریباں نکلے

۲۴ منفعل ہو کے خزاں کھینچ چکی دست دراز — رنگ پر آگیا صحرا درِ گلشن ہُوا باز
آئی غنچوں کے چٹکنے کی دل آویز آواز — گل و بلبل میں نئے ہونے لگے راز و نیاز
تُو بہار آتی ہے یہ خوشخبری آنے لگی
لے کے پیغام نسیمِ سحری آنے لگی

۲۵ اپنی قسمت پہ عنادل کو نہیں اب افسوس — گل کے نزدیک صبا آگئی بہر بوس
شرق کی سمت شفق پھول گئی، پڑ چکی اوس — خیر سے ختم ہوئے رات کے وہ کالے کوس
معرفت اُس کی سماں آنکھوں کو دکھلانے لگی
قدرت اللہ کی ہر شے میں نظر آنے لگی

۲۶ ماہ تھا اک گل شبّو سو گئی اُس کی بہار — تھیں رگیں چاندنی کے پھول کی، چاندی کے تار
اب کھلے گا گلِ خورشید یہ ہر سُو ہے پکار — ہو گی سونے کا ورق ساری زمینِ گلزار
دھوپ میں چہرہ گلہائے چمن دمکیں گے
ذرّے اب اور بھی ہیرے کی طرح چمکیں گے

۲۷ عشقِ شمشاد کا کہنے لگی قمری کڑکا — جو گلِ سرخ کھلا شک ہوا شعلہ بھڑکا
چل گئی تیز ہوا جب، دلِ بلبل دھڑکا — سر کی نزدیک سے پھولوں کے جو پتا کھڑکا
اب ہیں اندوہ کی باتیں نہ تعب کی باتیں
کرتے ہیں عاشق و معشوق غضب کی باتیں

۲۸ قابلِ دید ہے اِس فصل میں شانِ بلبل — باغ میں پھرتی ہے خالی ہے مکانِ بلبل
گُل سے ہو سخت، تو ہو لال زبانِ بلبل — رنگ پھولوں کا لیے لیتا ہے جانِ بلبل
یاسمن کی جو صباحت نے اک آفت کر دی
سانولے رنگ نے سوسن کے قیامت کر دی

کہیں سردی جو ہوا سے ہے تو شبنم سے کہیں — بند کرتا ہے ہر اک چشم کو خوابِ شیریں
بے خبر سبزۂ خوابیدہ ہے بالائے زمیں — آنکھ نرگس کی جھپک جائے تو کچھ دور نہیں
یہ ہوا لائی ہے نیند، اس کی خبر دیتے ہیں
جھونکے ہر مرتبہ گلشن میں شجر لیتے ہیں

دشمنی رکھتے ہیں آپس میں حسینانِ جہاں — طعنہ زن ایک پہ ہر ایک میانِ بستاں
یاسمن کہتی ہے سوسن کے ہے چہرے پہ دھواں — صاف منہ پہ ہنس کے گلِ سرخ یہ کرتے ہیں بیاں
ہے عیاں داغِ سیہ سے کہ یہ سودائی ہے
گلِ لالہ کی ہے کیا اصل کہ صحرائی ہے

جتنے تھے رنج خوشی سے وہ مبدل ہوئے کُل — نغمہ ہو جاتا ہے، جب کرتی ہے نالہ بلبل
پرِ طاؤس کے سب داغ بنے غیرتِ گُل — باغباں کی ہے پریشانیٔ خاطر سنبل
خشک شاخیں ہوئیں تر، رنگ کچھ ایسا بدلا
دیکھیے وقت جو بدلا تو زمانا بدلا

آج کل بیٹھے ہیں پردے میں حسینانِ چمن — یاں کوئی آنے نہ پائے یہ ہوا ہے قدغن
ہے کوئی مشورہ، ہوتے ہیں کچھ آپس میں سخن — باہر آتی نہیں بھولے سے ہوائے گلشن
باغباں سے ہے جدا، عالمِ تنہائی ہے
بند ہے باغ کا دروازہ بہار آئی ہے

کثرتِ گل سے چمن میں نہیں جانے کی جا — اس لیے باغ میں کوئی نہیں جانے پاتا
آتی ہے چھپ کے، دبے پاؤں نسیم اور صبا — ابر بھی آ کے برس جاتا ہے بالا بالا
دور سے کیفیتِ حسنِ نظر آتی ہے
گُل جو ہنستے ہیں تو بجلی سی چمک جاتی ہے

سرو چھپ چھپ گئی پھولوں کے ہیں ایسے انبار ایسی کثرت ہوئی، ہر نخل پہ آخر ہوئی بار
لاکھ ہنگاموں کی دیتی ہے خبر صوتِ ہزار ہر گل اور غنچے کے ملبوس میں ہے عطرِ بہار
دھجے افشاں ہوئے مشہور لباسِ گل کے
اصل یہ ہے کہ نشاں ہیں نظرِ بلبل کے

باغباں فکر میں پھرتا ہے کروں کیا ساماں لینے کو جائے کوئی آتا ہے تازہ مہماں
وہیں تجویز ہے پھر فرش تھا سبزے کا جہاں جاری اک نہر بھی ہے صورتِ حکمِ سلطاں
کر دیے صاف چمن فصلِ بہاری کے لیے
بن گیا تختِ رواں ابر، سواری کے لیے

قول بلبل کا ہے یاں کوئی نہ آنے پائے نہ صبا آئے کہ بوئے گلِ تر لے جائے
بس بہار آچکی اب کس لیے بدلی چھائے کام کیا ہے کوئی گلشن میں مرے کیوں آئے
روشنی مہر کی دم بھر میں نظر آتی ہے
اب مرے جبر سے شبنم تو اڑی جاتی ہے

کام بل کھانے سے کیا کیوں ہے پریشاں سنبل کوئی چاہے گا نہیں لاکھ سنوارے کا گل
شوق میں کھینچتی ہے مثلِ زلیخا بلبل چاک ہے دامنِ یوسف کی طرح دامنِ گل
سہل سمجھا تھا اس انداز کے نظارے کو
یہ ہنسی آئی کہ اچھو ہوا فوارے کو

پھول سے کم نہیں ہے باغ میں ہر اک بوٹی گل و بلبل میں محبت ہوئی، یہ بو، پھوٹی
گل کھلے اتنے کہ ذرہ نہ کہیں جا چھوٹی شاخ کہنے کو ہے، میری کلائی ٹوٹی
رنگ غنچوں کی نزاکت کا نظر آتا ہے
حسن کے بار سے منہ سرخ ہوا جاتا ہے

گُل کی اب جانبِ بلبل ہے عنایت کی نظر مَیلِ شمشاد کو ہے قمریوں کی کُو بہ کُو پر
دی جگہ فاختہ کو سرو نے بالائے سر گر پڑے گُل جو، اُسے جُھک کے اٹھاتے ہیں شجر
ڈھونڈتی پھرتی ہے پھر اپنے طلبگاروں کو
بوئے گُل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

قوتِ نامیہ دکھلا رہی ہے اپنا اثر ایسا غنچوں کو اُبھارا کہ ہیں شاخِ گُل تر
سبزہ اُگتے ہی ہوا سرو و چمن کا ہمسر چشمِ نرگس کو بھی بڑھتے نظر آتے ہیں شجر
طولِ سنبل کو ہے محبوب کا گیسو ہو کر
جان ذرّوں میں بھی پڑنے لگی جگنو ہو کر

کیوں رشید ابتہ نہیں فصلِ بہاری کی ہوس کثرتِ گُل سے ہوا بندِ عنادل کا نفس
ایک گلچیں جو اُٹھاتا ہے تو رہتے ہیں دس انتہا ہو گئی پھولوں کے بیاں کی بس بس
حال اب رونقِ گلشن کا ہے بیجا کہنا
پھول جھڑنے لگے ہیں مُنہ سے ترے کیا کہنا

کچھ بیاں گُل کا نہ لازم ہے نہ ذکرِ گلزار سب کو دکھلا دے بس اب جنگ کے میداں کی بہار
اِس طرف زخمِ بدن گُل ہیں، اُدھر نیزے خار اب چلا چاہتی ہے سیفِ خدا سے تلوار
رن میں بدلی کی طرح فوجِ ستم چھائی ہے
یاں بھی صف بندھ گئی ہے واں بھی صف آرائی ہے

جنگ کے ولولے نے اپنا اثر دکھلایا فوج کیں بڑھنے لگی وقتِ وغا کا آیا
ایک مارا گیا اِذن ایک جری نے پایا دلِ شبیرؑ پہ ابرِ اَلم و غم چھایا
رہے دم بھر میں عزیز اور نہ یاور باقی
ایک فرزند و اور ایک برادر باقی

دیکھ کر فوج کو اکبرؑ نے جو تولی تلوار کہا عباسؑ نے کیوں خیر ہے عمو ہو نثار
کیوں مرے سامنے اعدا سے ہی قصد پیکار شاہزادے یہ خیال آپ کو آیا بیکار
آبرو پر مری حرف آئے یہ منظور ہوا
کیا مری بات بگڑ جائے یہ منظور ہوا

آپ اگر لاش اٹھائیں تو ہو دل کو آرام خلق میں آپ کا بھی نام ہو میرا بھی ہو نام
وقت امداد ہے کچھ آئیے اس دم مرے کام آپ کے والد ماجد کا میں ادنیٰ ہوں غلام
پہلے میداں کی طرف جا کے نہ ذلت دیجے
شہ نے عزت مجھے دی آپ بھی عزت دیجے

سر جھکا کے بہ ادب اکبرِ ذیشاں نے کہا آپ انصاف سے فرمائیے، ہے صبر کی جا؟
آپ کا رعب ہے، ڈرتے ہیں تمام اہلِ جفا ہستک اسلام کی ہے آپ کے مرنے سے بچا
قوتِ بازوئے سلطانِ خوش اطوار بھی ہیں
آپ سقائے حرم بھی ہیں علمدار بھی ہیں

کہا عباسؑ نے اے زینتِ گلزارِ بتولؑ ایک تو جو ہیں ادب داں یہ ہے اُن کا معمول
دوسرے آپ کے والد سے شرافت ہے حصول تیسری بات یہ ہے آپ ہیں ہمشکلِ رسولؐ
دلبرِ احمدِ مختار کے دلبند ہیں آپ
میرے آقا و خداوند کے فرزند ہیں آپ

گفتگو سن کے یہ چپ ہو گیا وہ عالی جاہ سب یہ فرزند و برادر کا بیاں سنتے تھے شاہ
دیکھ کر بھائی کی جانب کہا اِنّا لِلّٰہ دل ہے بیتاب ادھر آؤ مرے غیرتِ ماہ
خوب روکا ہے وگرنہ مجھے غش آ جاتا
ٹوٹی جاتی ہے کمر اب نہیں اُٹھا جاتا

دوڑ کر پاؤں پہ عباسِ خوش اطوار گرے مرنے کے شوق میں اُٹھ اُٹھ کے کئی بار گرے
جوشِ رقت کا ہوا، اکبرِ دیندار گرے اُن کو لپٹا کے گلے سے شہِ ابرار گرے
کر کے اک آہ، جگر تھام کے خاموش ہوئے
نہ رہی تاب عرق آگیا بیہوش ہوئے

ہوش آیا تو کہا خوں میں نہاؤ جاؤ پانی بچّوں کے لیے نہر سے لاؤ جاؤ
اپنی نادان سکینہؑ سے بہل آؤ جاؤ شوق ہے گلشنِ فردوس کا جاؤ جاؤ
وقتِ امداد کا جب آیا تو مُنہ موڑ چلے
بھائی اِس عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑ چلے

ہوئے عباس علیؑ شاد کہ رخصت پائی جلد خیمے میں گیا شاہ کا وہ شیدائی
دیکھ کر رونے لگی بنتِ نبیؐ کی جائی پوچھا اس وقت ہنسے دیتے ہو کیا ہے بھائی
یونہی مسرور ولی ابنِ ولی آتے تھے
گھر میں جس وقت پسِ فتح علیؑ آتے تھے

عرض کی مل گئی مرنے کی رضا شادوں میں دل سے آتی ہے صدا، خانہ آبادوں میں
ایک غم سے ہمہ تن نالہ و فریادوں میں ہوں غلام آپ کا اب چاہیے آزادوں میں
آپ ارشاد کریں کوشش و کد کرنے کو
آپ بھیجیں مجھے آقا کی مدد کرنے کو

رو کے فرمایا یہ کیا کہتے ہو اے ماہِ جبیں بھائی کے واسطے مضطر تھے دمِ بازپسیں
بات بہتر کوئی سمجھے تھے شہِ عرش نشیں ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا تمھیں کچھ یاد نہیں
ساتھی سب چھوٹ گئے ساتھ نہ چھوڑو بھائی
پاؤں اب تھک گئے ہیں ہاتھ نہ چھوڑو بھائی

تم نہ ہوگے تو ہے اِن بچوں کا پلنا مشکل تا قیامت ہے اب اِس گھر کا سنبھلنا مشکل
ضعف سے عابدِ مضطر کو ہے چلنا مشکل ہوگا نادان سکینہؑ کا بہلنا مشکل
عترتِ احمدؐ کی وہاں برہنہ سر جائے گی
ہے یقیں مجھ کو کہ زنداں میں یہ مر جائے گی

بہرِ خالق مرے بھائی کو بچاؤ عباسؑ زورِ بابا کا لعینوں کو دکھاؤ عباسؑ
رن سے مژدہ مجھے دیتے ہوئے آؤ عباسؑ ایسی صورت جو نکل آئے تو جاؤ عباسؑ
سیکڑوں غم دلِ ناشاد پہ سہہ کر اُٹھے
اِسی تدبیر میں جاتا ہوں یہ کہہ کر اُٹھے

اپنے خیمے میں گئے جلد جنابِ عباسؑ باندھی مرنے پہ کمر آئے بدلنے کو لباس
زوجہ بچوں کو لیے آئی بصد حسرت و یاس دونوں مُنہ تکنے لگے، آ کے کھڑے ہو گئے پاس
آہِ غم برق بنی، ابرِ اَلم گھر کر آئے
بڑھ گیا سوزِ جگر آنکھوں میں آنسو بھر آئے

کہا زوجہ سے نہ دو رنج، نہ تم غم کھاؤ صبر ایسا کرو جو اجر خدا سے پاؤ
اِن کو اِس وقت مرے سامنے سے لے جاؤ نہ مجھے دیکھیں الگ جا کے کہیں بہلاؤ
رحمتِ حق سے، جو منظور مجھے ہے ہو جائے
سہل سے مرحلۂ صبر و رضا طے ہو جائے

رو کے بولیں مرے بارے میں جو کہنا ہو کہو آبدیدہ ہوئے فرمایا کہ خاموش رہو
ساتھ شہزادیوں کے رنج و غم و درد سہو شہِ ابرار سلامت رہیں مایوس نہ ہو
چھُٹ کے مجھ سے یہ پسر تڑپیں گے بسمل کی طرح
دونوں کو سینے سے لپٹائے رہو دل کی طرح

لو خدا حافظ و ناصر ہمیں جانا ہے دُور نام رہ جائے وفا کا یہ ہے دل کو منظور
کہہ کے یہ خیمے سے نکلے تو ہوا دل رنجور دیکھا سجادؑ کو بیٹھے ہیں زمیں پر مجبور
پوچھا عباسؑ نے کیا حال ہے کیا عالم ہے
رو کے فرمایا کہ آخر ہوں لبوں پر دم ہے

کہہ کے یہ آپ اُٹھے ہاتھ گلے میں ڈالے بولے جنت کی طرف آپ ہیں جانے والے
ٹکڑے کرتے ہیں مرے دل کو حرم کے نالے سینہ کیا کوٹوں کہ ہیں زخم جگر کے آلے
ہائے افسوس بُرے وقت میں مُنہ موڑ گئے
ساتھ والوں سے ہے شکوہ کہ ہمیں چھوڑ گئے

قید ماں بہنوں کی مرنے سے زیادہ ہے چچا قہر ہے اُس کے لیے اور جو رکھتا ہو حیا
تیغ سے کاٹیں کہ باندھیں مرا تسی سے گلا چھینی جائے نہ مگر بنتِ یداللہ کی ردا
دل سے راضی ہوں ستم مجھ پہ جو دن رات رہے
بی بیوں کے نہ کھُلیں سر تو بڑی بات رہے

اُن کو سمجھا کے چلے گھر سے جو عباسؑ علی پاس پردے کے کھڑے رو رہے تھے ابنِ علیؑ
مُردنی چھا گئی بھائی کی جو صورت دیکھی دیکھ کر حال قریب آ گئے ہمشکلِ نبیؐ
کہا دم رُک گیا غش آتا ہے دلبر مجھ کو
میں گرا پڑتا ہوں تھاموعلی اکبرؑ مجھ کو

کچھ عجب دل سے کہا شاہ نے بھائی عباسؑ جلد سینے سے لپٹ جاؤ کہ آ جائیں حواس
غم کی اس درجہ ہے کثرت کہ نہ ہے بھوک نہ پیاس دل کی بستی صفتِ گورِ غریباں ہے اُداس
ایسی سوزش ہے کہ تن سرد ہوا جاتا ہے
داغوں میں ایک نیا داغ نظر آتا ہے

حالِ سرور پہ تھے عباسِ علی اشک فشاں روتے تھے دیکھ کے بیتابیِ سلطانِ زماں
کہا اکبرؑ سے خبردار پدر سے مری جاں اتنے میں مشک لیے آئی سکینہؑ ناداں
جھک کے عباسؑ نے گودی میں اُٹھایا اُسکو
شاہ چپ ہو گئے مغموم جو پایا اُس کو

مشک لے کر کہا اکبرؑ سے ہوا دل مسرور قصد پہلے نہ تھا اب نہر پہ جاؤں گا ضرور
خیر کچھ دُور ہوں میں اور نہ ستمگار ہیں دُور بچے پیاسے جو ہیں واللہ بہت ہوں رنجور
نہ کسی جا مرے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
آ کے میدان میں دریا کی لڑائی دیکھو

کہہ کے یہ شاہ کو مُجرا کیا گھوڑے پہ چڑھے دی صدا رعب و جلال اپنے ہٹو، آپ بڑھے
نورِ وہ مُنہ میں کہ صلوات بدایاں بھی پڑھے حلقۂ چشم پری بن گئے میداں کے گڑھے
پُشت پر آ کے جو شیرِ صفِ ہیجا سنبھلا
یا علیؑ کہہ کے کیا زور تو گھوڑا سنبھلا

جب ہلی باگ اشارہ پئے شبدیز ہوا دیا لنگر تو گراں قدر سُبک خیز ہوا
برق کا طور رگوں میں دمِ مہمیز ہوا دل میں یہ سوچ کے اُٹھتے ہی قدم تیز ہوا
روند ڈالوں گا فلک کو سپہِ شر کیا ہے
ابتو پُشتی پہ ہیں عباسؑ مجھے ڈر کیا ہے

یہ نہ آہو کی طرح ہے نہ چکارے کی طرح گاہ شعلہ ہے کبھی ہے یہ شرارے کی طرح
کم چلے تو ہو زواں بحر کے دھارے کی طرح ابھی گرمائے تو اُڑ جاتا ہے پارے کی طرح
شیر ہو جاتا ہے جب کوئی مدد پاتا ہے
دوڑ کر خون رگوں میں اسے دوڑاتا ہے

۶۹ جب چلا فوج پہ مثلِ غضب ربِّ عُلا قبر میں خوف سے تن رستمِ دستاں کا گُھلا
دیکھ کر جنگ کا طور اور بھی تیزی پہ تُلا تازیانہ ہُوا تلوار کا ڈورا جو کُھلا
ٹاپ ماری تو دھمک پُشتِ سمک تک پہنچی
پُتلیاں جھاڑیں تو گرد اُڑ کے فلک تک پہنچی

۷۰ نکلی تلوار کی موج اور وہ جوہر مرغوب میان سے نکلی اس انداز سے وہ خوش اسلوب
گھر سے ہنستا ہوا جس طرح سے نکلے محبوب دوں مثال [illegible] جو ہو دل کو مطلوب
سیکڑوں طورِ مسرت چم و خم سے نکلے
جیسے بشاش علیؑ پیرِ علم سے نکلے

۷۱ جب وہ خونریز پہنچی آنے لگی خون کی بُو جب بڑھی، گھٹنے لگا جسم میں اعدا کے لہو
پانی اس تیغ کا ہر ایک کے تھا تا بہ گلو عالم اُس کا نظر آیا تو ہُوا عالمِ ہو
نہیں دستِ مَلک الموت برابر اُس کے
جوہرِ تیغ قضا بن گئے جوہر اُس کے

۷۲ موجِ دریائے فنا اس کو ہر اک کہتا ہے آب بڑھ بڑھ کے یہ کہتی ہر کہ دریا کیا ہے
باڑھ کا اس کی زمانے میں بڑا شُہرا ہے جان لے لیتا ہے گھاٹ اسکا یہ وہ دریا ہے
پائی جاتی ہے خداداد روانی اس میں
بل گیا تیغِ یداللہ کا پانی اس میں

۷۳ چاہے تو زیرِ سمک اپنے کو پہنچائے ابھی پار گردوں کے ہو یہ حکم اگر پائے ابھی
اک اشارے میں پہاڑوں سے گزر جائے ابھی ہو اگر لوہے کی دیوار تو در آئے ابھی
کیا رسائی صفتِ طبعِ رسا ہے اِس کو
رَن میں عباسؑ نے سَو بار کسا ہے اِس کو

غیظ میں آپ جو کھینچے ہوئے تلوار بڑھے غل ہوا جان و دلِ حیدرِ کرّار بڑھے
سر جھکے سب کے جو یہ عازمِ پیکار بڑھے فوجیں ہٹنے لگیں عباسؑ علمدار بڑھے
آئے میداں میں جو یہ، فوجِ ستمگار چلی
رن میں گھوڑے کا ٹھہرنا تھا کہ تلوار چلی

بعد شمشیر علیؑ، تیغوں میں اوّل نکلی صاف یہ جوہروں سے زلفِ مسلسل نکلی
چلنے کو میان سے جب کھاتی ہوئی بل نکلی اس کی امداد جو دیکھی تو قضا چل نکلی
خلق سے فوج کا ایک ایک پرا ساتھ اُٹھا
سب کے دم کھنچنے لگے اس کا جہاں ہاتھ اُٹھا

ہلک اک شیر کی ہے اس کا نشاں قبضہ ہے ہاتھ میں شیر کے ہے شیر زیاں قبضہ ہے
مسکنِ شیر ہے وہ اس کا جہاں قبضہ ہے خود یہ شمشیر ہے اور شیر دہاں قبضہ ہے
پاس ضیغم کے ہے جس پر کرم اللہ کا ہے
نام عباسؑ ہے اور شیر اسد اللہ کا ہے

اور غصہ جو بڑھا منہ کا مزا ہو گیا زہر پیاس یاد آ گئی بچوں کی ہوا اور بھی قہر
چلیے دریا پہ ذرا دل کو یہی آ گئی لہر دیکھا اکبرؑ کی طرف مڑ کے چلے جانبِ نہر
بات کے پورے جو ہیں بات پہ وہ مرتے ہیں
یہ اشارہ تھا جو کہہ آئے ہیں وہ کرتے ہیں

فوج سے کہہ کے چلے سب کو وہیں لا کے لڑو متفرق نہ ہو بادل کی طرح چھا کے لڑو
منزلوں خون ہو یوں سامنے دریا کے لڑو پانی لینا ہے مجھے سب لبِ نہر آ کے لڑو
واں جو روکا تو سقر میں تمھیں پہنچاؤں گا
باڑھ تلوار کی اب گھاٹ پہ دکھلاؤں گا

شہ سے اکبرؑ نے کہا اے شرفِ عزّ و شرف ایسا غصّہ ہی چچا جان کے ہے منہ میں کف
کیا عجب ہے کہ لڑیں مثل شہنشاہ نجف آستیں اُلٹے ہوئے جاتے ہیں دریا کی طرف
مجھ سے فرمایا تھا آفت کی لڑائی ہوگی
بیشک اس وقت قیامت کی لڑائی ہوگی

آپ فرمانے لگے اے مرے دلبر روکو رنگ اچھا نہیں بگڑا ہے غضنفر روکو
نہ کریں وار کہیں صورتِ حیدرؑ روکو قہر ہو جائے گا بیٹا علی اکبرؑ روکو
عادتِ رحم ہے غصّہ مرا دستور نہیں
اُمتِ جد کی تباہی مجھے منظور نہیں

عرض کی اکبرؑ ذی جاہ نے یا شاہِ غیور ہے جو کچھ آپ کو منظور اُنھیں ہے منظور
کچھ تو لڑ لیں کہ یہ ہے سب میں شجاعت مشہور لشکرِ شام کو اب چشم نمائی ہے ضرور
یاں یہ ہے ذکر نئے دھیان چلے آتے ہیں
واں علمدار سوئے نہر بڑھے جاتے ہیں

پیک چلاتے ہیں ہر سمت دلیر آتا ہے رہو ہشیار کہ اب کچھ نہیں دیر آتا ہے
پیاس کا شہ کی ہے غم جینے سے سیر آتا ہے سر کو دریا کی ترائی سے کہ شیر آتا ہے
اس کی کب تیغ زنی خلق میں مشہور نہیں
نہر کو کاٹ کے لے جائے تو کچھ دور نہیں

بڑھے آپ، ہر اک محوِ اجل بیٹھ گیا پھول سپروں کے گرے تیغ کا پھل بیٹھ گیا
کیا نعرہ تو دلِ اہلِ دغل بیٹھ گیا غل ہوا شام کے حاکم کا محل بیٹھ گیا
زلزلہ ہے کہ زمیں دشت کی تھراتی ہے
یا علیؑ یا علیؑ آواز چلی آتی ہے

فوج میں غل جو سُنا شاہ نے اکبرؑ سے کہا جنگ کیسی ہے کہ دیتے ہیں دوہائی اعدا
کیا قیامت ہوئی اک حشر ہی لشکر میں بپا میری جاں دیکھو تو شاید ہوئے مجروح چچا

جس طرح لڑ رہے ہیں یوں کوئی کب لڑتا ہے
شیر ہوتا ہے جو زخمی تو غضب لڑتا ہے

کثرتِ فوج سے مشکل ہے کہ ہل جائے پلک نہ حساب اس کا ہوا رہ گیا ہر ایک کو شک
اتنے تھے جمع جنھیں گن نہ سکے جن و ملک مختصر یہ ہے کہ تھے ماریہ سے دوزخ تک

نار میں جاتے ہیں وہ بھی جو نہیں لڑتے ہیں
پیچھے ہٹنے سے جہنم میں گرے پڑتے ہیں

خوش ہوئی خوں میں ستمگار جو تر دیکھ لیے لپکی پوشیدہ اگر بانیٔ شر دیکھ لیے
موت بولی جو بُرے طورِ نظر دیکھ لیے خیر ہے کیا کہیں جبریلؑ کے پر دیکھ لیے

تیری پیرو ہوں ازل سے ترا دم بھرتی ہوں
تیغ حیدرؑ کی قسم تجھ سے بہت ڈرتی ہوں

ان کو غصہ جو بڑھا، خوف سے صحرا سمٹا ایک ہستی و عدم ہے کہ زمانا سمٹا
کم ہوا آبِ گہر سے بھی یہ دریا سمٹا عالم آنکھوں سے نہاں ہو گیا ایسا سمٹا

جتنے اضداد تھے آپس میں وہ سب شامل تھے
جتنے ممکن تھے محالات میں سب داخل تھے

یہ جو پیاسے تھے، لہو تیغ نے اعدا کا پیا تن دہی کی، سپہ شام کو پامال کیا
اُن کو تھمنے نہ دیا آپ کہیں دم نہ لیا آکے دریا کی ترائی میں عَلم گاڑ دیا

دی صدا ایسے جہاں میں کہیں رن پڑتے ہیں
دیکھو یوں نہر کو لے لیتے ہیں یوں لڑتے ہیں

آئے خود لڑنے بن سعد بد اختر ہی کہاں جس پہ ظالم کو بھروسہ تھا وہ لشکر ہی کہاں
چھپ رہا شمر کدھر خولیِ خود سر ہی کہاں بن کاہل کو بلاؤ وہ ستمگر ہے کہاں

گھیریں ہر سمت سے پھر ہم کو جفا کار بڑھیں
پھر یہ جی چاہتا ہے مل کے سب اکبار بڑھیں

روبرو شمر بن سعد سے ہمدم کے لڑے دل بڑھے، فوج اگر سامنے اظلم کے لڑے
کہہ دے لشکر سے نہ پسپا ہو ذرا تھم کے لڑے کھیت میں تو کوئی صف کوئی پراجم کے لڑے

سب جو دو چار گھڑی لڑنے کا اقرار کریں
ہم بھی دل کھول کے بابا کی طرح وار کریں

راہِ دریا نہ رُکی جمع تھے اتنے گمراہ سب کے نزدیک ہوا روئے بن سعد سیاہ
دھیان ابلیس کو تھا صاحبِ قوت ہی سپاہ واہ لاحول ولا قوت الا باللہ

کچھ بھی وقفہ نہ ہوا ہم لبِ دریا پہنچے
اک ذرا قصد کیا تھا کہ بہ یک آن آ پہنچے

شیر کو ہوش میں لائی جو ترائی کی ہوا اڑ کی گھوڑے کو کاندھے سے لیا مشکیزا
نہ ہوئی آب کو جنبش بھی فرس یوں اترا خیمۂ مقدم کی لبِ نہر سے آتی تھی صدا

آئے تھے آبروئے نہر بڑھانے کے لیے
پانی ٹھہرا ہوا تھا مشک میں آنے کے لیے

پانی چلو میں اٹھایا تو ہوا دل رنجور کہا (دل سے فرمایا) کہ پیاسے ہیں شہنشاہِ غیور
سمجھو عباسؑ کہ یہ بارِ وفا سے ہے دور تھوڑے عرصے میں نہ تم ہوگے نہ گرمی کا وفور

ایک قطرہ بھی جو پی لوگے تو شرم آئے گی
پیاس بجھ جائے گی جب روح نکل جائے گی

ہاتھ سے پھینک دیا، بھر لیا مشکیزے میں آب — دی سرِ دوش جگہ کس کے دہانے کو شتاب
رخش کے پاؤں سے ہر بار لپٹتے تھے حباب — منہ پھرائے ہوئے پانی سے چلے پھر کے جناب
پھیر کے گھوڑے کو جان و دلِ حیدر نکلے
لے کے مشک اور علم نہر سے باہر نکلے

دی صدا ہم وہ ہیں جو بات پہ مر جاتے ہیں — جو طریقہ ہے وفا کا وہی کر جاتے ہیں
ہم یونہیں آگ کے دریا میں اتر جاتے ہیں — دیکھو بے پانی پیئے نہر سے گھر جاتے ہیں
گھاٹ روکا نہ ہمیں اہلِ ستم نے روکا
تم سے ہم رک نہ سکے پیاس کو ہم نے روکا

قصد خیمے کا کیا تھا کہ پلٹ آئے شریر — پانی لے جانے نہ پائیں یہ پکارے بے پیر
ہائے افسوس یہ تنہا ہیں، ادھر فوج کثیر — چھاؤں ہو جاتی ہے ہر سمت سے جب آتے ہیں تیر
کچھ ذرا بھی خطرِ لشکرِ اعدا نہ کیا
حملہ شیرِ اسد اللہ نے شیرانہ کیا

ہاتھ اٹھاتے تھے برابر سپہِ شر کی طرف — پر نہ جاتے تھے جھپٹ کر کسی خودسر کی طرف
دل سے ہرگز متوجہ نہ تھے لشکر کی طرف — تھی نظر مشک پہ یا خیمۂ سرور کی طرف
کہتے تھے سب سے سرک جاؤ ذرا رستا دو
سر مرا کاٹ لو پہ مشک وہاں پہنچا دو۔

عترتِ احمدِ مرسل کا تمھیں چاہیئے دھیان — ہے وطن دور، ہیں اس بن میں تمھارے مہمان
ایک کانٹا ہوئی ہے سوکھ کے اصغرؑ کی زبان — مشک بھر آب میں ہوگا نہ تمھارا نقصان
جان پر بن گئی ہے دور جو دریا سے ہیں
پانی تھوڑا سا ہے اطفال بہت پیاسے ہیں

التجا اتنی بہت ہے کہ شجاعت ہے شعار جان جب تک ہے بدن میں نہ رکوں گا زنہار
جیتے جی مشک میں دیدوں یہ بہت ہے دشوار روح بیچین ہے خود جینے سے دل ہے بیزار
مجھ کو مرنا ہے گھڑی بھر کے لیے جاتا ہوں
پانی بچّوں کو پلا کر میں ابھی آتا ہوں

ابھی نیزے نہ چلیں مان لو میرا کہنا خونِ دل بہنا ہے مشکیزے سے پانی بہنا
مجھ کو دشوار نہیں لاکھ جراحت سہنا سینہ غربال کرو مشک بچائے رہنا
یہ نہ سمجھو کہ رہِ قلب و جگر روکے ہوں
میں فقط مشکِ سکینہؑ پہ سپر روکے ہوں

خود میں سر کاٹ کے دیدوں جو طلبگار ہو تم مستعد پانی بہا دینے پہ بیکار ہو تم
بیخطا قتل پہ سادات کے تیار ہو تم وجہ بھی کوئی ہے کیوں درپے آزار ہو تم
کچھ بھی تو دولتِ دیں کھو کے نہ ہاتھ آئے گا
بچّے مر جائیں گے تو کیا تمھیں مل جائے گا

کوئی سُنتا نہیں ہیں قتل پہ آمادہ کُل اُقتلو کا ستم ایجادوں میں ہر سمت ہے غُل
شورِ قرنا کا ہے، بجتے ہیں ہر اک صف میں دُہل سب کو منظور یہ ہے شمعِ حیات اب ہو گُل
جا کے سینے پہ ہم تیروں کے پھل پڑتے ہیں
برچھیاں چل رہی ہیں تیر برستم گڑتے ہیں

جمع لاکھوں ہیں بھلا یہ رکھیں کس کس پہ نظر کیا خبر ان کو کمیں میں ہیں ہزاروں خنجر
ایک سفاک نے تلوار لگائی بڑھ کر ہے غضب دستِ یمیں کٹ کے گرا ریتی پر
پشتِ توسن پہ ٹھہرنا انھیں دشوار ہوا
تیور آنے لگے دل زیست سے بیزار ہوا

دستِ چپ میں لیا شمشیرِ دو دم کا قبضہ جنگ کرنے لگا کفار سے وہ شیرِ وغا
وائے حسرت ہوا وہ ہاتھ بھی جب تن سے جدا دانتوں میں مشکِ سکینہؑ کا دبایا تسما

آپ اسی حال میں جانے لگے خیمے کی طرف
جلد گھوڑے کو بڑھانے لگے خیمے کی طرف

کیفیت یہ ہے مگر جانبِ سر ہے نظر آنکھ پہ تیر لگا اور ہوا حال ابتر
کچھ بن آتی نہیں ہر بار جھٹکتے ہیں سر ہاتھ دونوں نہیں ہیں تیر نکالیں کیونکر

ضعف سے اپنے میں اب حال نہیں پاتے ہیں
لیکن آقا کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں

ایک بیرحم نے جب مشک میں سوراخ کیا پانی بہنے جو لگا خونِ دلِ زار پیا
اک قدم گھوڑے کو بڑھنے نہ دیا روک لیا دل سے فرمایا بڑا قہر ہے گرداب میں جیا

تشنہ کاموں کو بہت مجھ سے شکایت ہوگی
جسم سے جان جو نکلے گی تو راحت ہوگی

دل سے کرتا تھا یہ باتیں وہ علیؑ کا دلبر کسی جلاد نے اک گرز لگایا سر پر
چہرے پر آنے لگی سر کے لہو کی چادر گر پڑا دے کے صدا شاہ کو وہ رشکِ قمر

وقتِ امداد کا ہے آیئے کام اے آقا
اب خبر لیجیے آخر ہے غلام اے آقا

علی اکبرؑ نے کہا شاہ سے اے میرِ امم گرد سے کچھ نظر آتا نہیں لشکر کا علم
ہتکِ اسلام ہے نزدیک کہ اعدا ہیں بہم جلد چلیے کہ قریب آ گئے ہیں سب اظلم

فوجِ اعدا کو خوشی اے شہِ والا ہوگی
ہوئے پامال تو ہتک اور زیادا ہوگی

یہ خبر سُن کے تڑپنے لگے سُلطانِ انام — کہا اکبرؑ سے غضب ہو گیا اے گُل اندام
دوپہر ہے ابھی لیکن مری نظروں میں ہے شام — مجھ میں قوت نہ رہی چھوٹ گیا وہ ضرغام
لاش میداں سے اُٹھانے چلو، آؤ بیٹا
ہائے میں کیا کروں تدبیر بتاؤ بیٹا

اس طرح سے نہ کہیں آس کسی کی ٹوٹے — اے مری جان نہ یوں موت کسی کو لُوٹے
نہ رہیں ہاتھ تو سر پیٹے کہ سینہ کوٹے — نہ زمانے میں کسی بھائی سے بھائی چھوٹے
خم کمر ہو گئی آنکھوں میں بصارت نہ رہی
دو قدم چلنے کی شبیرؑ میں طاقت نہ رہی

کہہ کے یہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے بیتاب چلے — کبھی نالہ کیا اور غم سے کبھی ہاتھ ملے
کہتے جاتے تھے کہ ہے ہے مری گودی کے پلے — ہے تمنّا کہ پھر اک بار لگالوں میں گلے
روح بیچین ہے زندہ تمہیں پاؤں کیونکر
دل جلا جاتا ہے یہ آگ بُجھاؤں کیونکر

تھامے تھے باپ کو ہمشکل رسولِ مختار — شہ جو گرتے تھے اُٹھا لیتے تھے جھک کر ہر بار
بھر گئے خاک میں صحرا کی امامِ ابرار — پاس آکر علی اکبرؑ نے جو کھینچی تلوار
فوجِ شر ہٹ گئی یہ درد کے مارے پہنچے
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے دریا کے کنارے پہنچے

عرض کی اکبرِ ذی شاں نے شہا یہ ہیں چچا — نہ رہی تاب گرے دوڑ کے شاہِ دوسرا
خاک پر بیٹھ کے سر زانوے اقدس پہ لیا — مُنہ پہ مُنہ رکھ کے پکارے تو اُنھیں ہوش آیا
عرض کی اُٹھنے کی طاقت نہیں شرماتا ہوں
وقت رخصت کا ہے تسلیم بجا لاتا ہوں

شاہ جو کہتے تھے دیتے تھے معاً آپ جواب کہا گھر میں چلو، کی عرض کہ اتنی نہیں تاب
پوچھا کیسے ہو، کہا قصد عدم کا ہے شتاب بولے کیا پیاس کا ہے حال، کہا دل ہے کباب
شہ نے فرمایا کہ ساتھی تو کوئی ساتھ نہیں
ہاتھ ڈالو مری گردن میں، کہا ہاتھ نہیں

سُن کے یہ واقعہ سر پیٹ لیا سرورؑ نے ہاتھ تھامے شہ والا کے علی اکبرؑ نے
عرض کی عاشقِ جانباز شہ صفدر نے سخت مجبور کیا ہے مجھے درد سر نے
نزع کا وقت ہے تحصیل سعادت کرتا
آنکھیں کھل سکتیں تو آقا کی زیارت کرتا

شاہ رو رو کے لگے پونچھنے آنکھوں کا لہو پڑھی صلوات جو دیکھا رخِ شاہِ خوش خو
خوش ہوئے ایسے کہ آنکھوں میں بھر آئے آنسو کہا لاشہ مرا رہنے دیں یہیں شاہِ نکو
خشک مشکیزہ ہے پانی وہ کہاں پائے گی
روئے گی بالی سکینہؑ مجھے شرم آئے گی

کہہ کے یہ کی رخِ شبیرؑ پہ حسرت کی نگاہ دست و پا کھنچنے لگے اور ہوا حال تباہ
آئی ہچکی تو شہِ دیں نے کہا بسم اللہ جانبِ خلد سفر کر گیا وہ غیرتِ ماہ
پیٹ کر شہ نے کہا اے مرے پیارے عباسؑ
چھوڑ کر مجھ کو اس آفت میں سدھارے عباسؑ

ہائے بھائی مرے جینے کا سہارا نہ رہا درد میرا نہ سُنا حال کچھ اپنا نہ کہا
تم نے دو دن سے مرے ساتھ بڑا رنج سہا بچّے پیاسے جو تھے پانی کے عوض خون بہا
آس مظلوم کی اے رشکِ قمر ٹوٹ گئی
اب رہِ چارہ ہوئی بند کمر ٹوٹ گئی

اُٹھے اکبرؑ کے اُٹھانے سے شہِ نیک اساس حسرت آمیز سخن لب پہ تھے چھائی تھی یاس
بڑھے دو چار قدم جب تو ہوئے اور اُداس پھر کے فرمایا خدا حافظ و ناصر عباسؑ

بیٹوں کے واسطے یہ تحفۂ غم لے کے چلے
چھوڑ دی لاش وہیں مشک و عَلم لے کے چلے

سب نشاں خون میں تر ہاتھ میں حضرت کے تھا روتے آتے تھے، کمر تھامے ہوئے شاہِ ہُدا
در سے یہ بیوۂ عباسؑ نے جس دم دیکھا صحن سے خیمے کے دی اہلِ حرم کو یہ صدا

غم رنڈاپے کا ہے دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے
لوگو ماتم کے لیے آؤ عَلم آتا ہے

آ کے خیمے میں کہا شاہ نے بیوہ کو بلاؤ دی صدا زینبِ ناشاد نے بھابی اِدھر آؤ
آپ مَلو خاکِ عزا چہرے پہ گہنے کو بڑھاؤ پہنو رنڈسالہ لباس یہ تمھارا ہے بناؤ

نہر پر خون میں تر شاہ کا شیدائی ہے
عَلم آیا نہیں سمجھو کہ یہ لاش آئی ہے

آئی بچوں کو لیے روتی ہوئی وہ مضطر شکل رانڈوں کی بنائے ہوئے وہ خستہ جگر
مُنہ پہ تھے اشکِ رواں پیٹتی تھی سینہ و سر ناگہاں ہوگئی نادان سکینہؑ کو خبر

دوڑی کہتی ہوئی مشکیزہ مرا لائے ہیں
لو خبر مجھ کو نہ تھی میرے چچا آئے ہیں

شہ نے فرمایا وہ غازی ہے کنارِ دریا رو کے چلّائی کوئی جا کے یہ کہہ آئے ذرا
ہو لڑائی کا جو سامان چلے آؤ چچا اب مجھے تشنہ لبی ہے نہ ہے اصغرؑ پیاسا

اُن پہ آنچ آئی تو میں جی سے گزر جاؤں گی
پیاس اس رنج میں بڑھ جائے گی مر جاؤں گی